خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط

اَمَّا بَعْدُ : فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٍ وَّکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٍ وَّکُلَّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ. اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا﴾ (النساء:١)

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ اٰلِ عِمْرَانَ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (النساء : ١٠٢)

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ الْاَحْزَابِ :

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا O یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًاO﴾ (الاحزاب : ٧٠،٧١)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ))

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

((مَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ!))

حضرات گرامی!

یقینا آپ حضرات کو بہت سی مجالس میں شرکت کا موقع ملا ہو گا اور آپ کا مشاہدہ یہ ہو گا کہ بالعموم خطبۂ نکاح یا تو اس طرح پڑھایا جاتا ہے کہ صرف دولہا اور آس پاس کے چند لوگ ہی اس کو سن پاتے ہیں یا پھر نکاح کی مجلس مسجد میں منعقد ہو اور لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھا جائے تو اس طرح خطبۂ نکاح کو تمام ہی شرکاء سن لیتے ہیں اور ان کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس خطبۂ نکاح میں قرآن حکیم کی چند آیات اور چند احادیث پڑھی گئی ہیں، لیکن چونکہ بدقسمتی سے عموماً شرکاء کی کثیر تعداد عربی سے نابلد ہوتی ہے، لہٰذا ان لوگوں کو اس بات کا کوئی شعور حاصل نہیں ہوتا کہ ان آیات کا مفہوم و مطلب کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ان آیات کا خطبۂ نکاح کے لئے کس عظیم مصلحت و افادیت کے پیش نظر انتخاب فرمایا ہے اور نہ ہی ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا ہماری معاشرتی زندگی سے کیا ربط و تعلق ہے اور خاص طور پر ان آیات میں اس دولہا کے لئے کیا نصائح، ہدایات، تذکیر اور رہنمائی موجود ہے جو اس نکاح کے ذریعے عائلی زندگی میں قدم رکھ کر ایک نئے خاندان کے وجود میں آنے کی بنیاد بن رہا ہوتا ہے۔

اس طرزعمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کی جو اصل غایت ہے، وہ کسی طرح بھی پوری نہیں ہوتی۔ سیرتِ مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں کہیں مسلمان جمع ہوتے تھے اور یہ جمع ہونا آپ کو معلوم ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی میں بالعموم خوشی کے مواقع پر بھی ہوتا ہے اور غمی کے مواقع پر بھی، تو آنحضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ایسے اجتماعات میں موقع و محل کی مناسبت سے آپؐ عموماً کچھ تذکیر و نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ دین کے اہم امور کی یاددہانی ہو جایا کرے۔

خطبہ جمعہ کی اہمیت

شاید آپ کو معلوم ہو کہ خطبۂ جمعہ کی غرض و غایت بھی یہی تذخیر (یاددہانی) ہے۔ مسلم شریف میں روایت آتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبۂ جمعہ میں لوگوں کو تذکیر اور قرآن حکیم کی قراء ت فرمایا کرتے تھے : کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَیُذَکِّرُ النَّاسَ اسی طرح خطبۂ نکاح کی بھی اصل غرض و غایت تذکیر و نصیحت اور موعظت حسنہ ہے، ورنہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے عروس کی رضامندی اس کے وکیل کے ذریعے

معلوم ہونے پر گواہوں کے سامنے اعلان عام کے ذریعہ نکاح خواں ایجاب اور دولہا قبول کرتا ہے جو نکاح کے لئے کفایت کرتا ہے۔

انسانی نفسیات کا یہ پہلو بھی ہے کہ بہت سی باتیں انسان کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں ان باتوں کو مانتا ہوں' تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ان میں سے اکثر ضروری باتیں اس کے شعور میں تازہ نہیں رہتیں۔ تذکیر کا مقصد دراصل ان ہی حقائق کو یاد دلانا اور ان کو اجاگر کرنا اور ذہن و شعور میں پھر تازہ کرنا ہوتا ہے۔ خطبۂ جمعہ چونکہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے اور سامعین عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا خطبہ جمعہ کی اصل غرض و غایت پوری نہیں ہوتی۔ زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم! والا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو اسی وجہ سے اصل خطبہ سے قبل وعظ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور ایک مسلک کی طرف سے خطبۂ جمعہ مقامی زبان میں دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ یہ طریقہ دراصل اس اصول کے تحت اختیار کیا گیا کہ : مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ اگر کوئی چیز بتمام و کمال نہ مل سکے تو اس کو بالکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہئے جو کچھ حاصل کیا جا سکے' وہ ضرور حاصل کرنا چاہئے۔

خطبۂ نکاح کی حکمت

پس خطبۂ نکاح بھی درحقیقت تذکیر کے لئے ہے۔ یہ تذکیر خاص طور پر اس شخص (یعنی دولہا) کے لئے بھی ہے جو اپنی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے اور بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ اس کے کاندھوں پر آ رہا ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک خاندان کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ معاشرے کے لئے خاندان کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ معاشرے کے لئے خاندان کا ادارہ بمنزلہ ایک اکائی ہوتا ہے۔ معاشرہ دراصل نام ہی بہت سے خاندانوں کے مجموعے کا ہے۔ اگر خاندان کا ادارہ درست اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو' اور اس کو اس نہج پر منظم کیا جائے جو ہمارے دین میں مطلوب ہے تو اس طرح لامحالہ معاشرہ صالح خطوط پر پروان چڑھے گا۔ خاندان کی جو کیفیات ہوتی ہیں درحقیقت ان ہی کا عکس معاشرے پر پڑتا ہے۔ کسی معاشرے میں صالح خاندانوں کی اکثریت ہو گی تو معاشرہ بھی مجموعی طور پر اعلیٰ اقدار اور صالحیت کا حامل ہو گا۔ اس کے برعکس اگر خاندانوں کی اکثریت میں بگاڑ ہو' وہ ہی صحیح خطوط پر استوار نہ ہوں تو لازماً مجموعی طور پر معاشرہ بھی بگڑا ہوا معاشرہ ہو گا۔ لیکن چونکہ دولہا جس کی تذکیر و نصیحت اصلاً مقصود ہے' عربی سے نابلد اور شرکاء بھی جو اس تذکیر سے مستفید ہونے چاہئیں۔ عربی سے ناواقف۔ نتیجہ یہ کہ خطبۂ بھی محض ایک "رسم" بن کر رہ گیا ہے۔ ("رہ گئی رسم اذاں روح بلالی ؓ نہ رہی!")

خطبہ نکاح کے ضمن میں حضور ﷺ کا معمول

نکاح کے ذریعے جو ایک خاندان کی بنیاد پڑ رہی ہوتی ہے تو نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ خطبۂ نکاح میں قرآن مجید کی چند آیات کی قراء ت فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ اصل تذکیر کا ذریعہ قرآن مجید ہی ہے سورۃق کا اختتام ہی تذکیر بالقرآن کے تاکیدی حکم پر ہوتا ہے۔ وہاں فرمایا :

فذکر بالقرآن من یخاف و عید "پس (اے نبی!) تذکر کرائیے قرآن کے ذریعے سے اس کو جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو"!

ابھی میں نے آپ کو خطبۂ جمعہ کے متعلق حدیث سنائی تھی کہ **کان صلی اللہ علیہ وسلم یقرء القران ویذکر الناس** سیرت مطہرہ میں نبی اکرم ﷺ کا یہی معمول خطبۂ نکاح کے سلسلہ میں بھی نظر آتا تھا۔ چنانچہ میں میں خطبۂ مسنونہ کے بعد قرآن کی جن آیات کی قراء ت کی ہے' روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نکاح میں عموماً ان آیات کی قراء ت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ سرسری طور پر غور کرنے سے ان آیات کی قراء ت کی حکمتیں سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ اگر معاملہ یہ ہوتا کہ حصول برکت کے لئے چند آیات پڑھ لی جائیں تو اس اعتبار سے سورۃ الفاتحہ ہونی چاہئے جو ام القرآن بلکہ بجائے خود "قرآن عظیم" ہے– یا سورۃ الاخلاص ہونی چاہئے جس کو نبی اکرم ﷺ نے ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں ہے۔ اس موقع پر قرآن مجید کی آیات کی قراء ت محض حصول برکت یا روایت کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے نبی اکرم ﷺ خطبۂ نکاح میں عموماً سورۃ النساء کی پہلی آیت' سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ اور سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰' ۷۱ کی قراء ت فرمایا کرتے تھے۔ مجلس نکاح میں ان آیات کی قراء ت سے دراصل وہ تذکیر و نصیحت مقصود ہے جو اس شخص کے لئے نشان منزل اور موجب رہنمائی ہے جو زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھ رہا ہوتا ہے– لہٰذا ضروری ہے کہ مجلس نکاح میں صرف خطبۂ نکاح پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے' بلکہ ان احکام اور حکمتوں کو بھی بیان کیا جائے جو قرآن حکیم کی ان آیات میں مضمر ہیں اور جن کی بطور تذکیر نبی اکرم ﷺ قراء ت فرمایا کرتے تھے۔ میں آگے جب ان آیات کی مختصر طور پر کچھ شرح کروں گا تو ان شاء اللہ نکاح کے موقع پر ان آیات کی قراء ت کی حکمتیں آپ کے سامنے آ جائیں گی۔

اگر معاملہ یہ ہوتا کہ حصول برکت کے لئے چند آیات پڑھ لی جائیں تو اس اعتبار سے سورۃ الفاتحہ ہونی چاہئے جو ام القرآن بلکہ بجائے خود "قرآن عظیم" ہے– یا سورۃ الاخلاص ہونی چاہئے جس کو نبی اکرم ﷺ نے ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں ہے۔ اس موقع پر قرآن مجید کی آیات کی قراء ت محض حصول برکت یا روایت کے طور پر نہیں ہے بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے نبی اکرم ﷺ خطبۂ نکاح میں عموماً سورۃ

النساء کی پہلی آیت، سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ اور سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰، ۷۱ کی قراء ت فرمایا کرتے تھے۔ مجلس نکاح میں ان آیات کی قراء ت سے دراصل وہ تذکیر و نصیحت مقصود ہے جو اس شخص کے لئے نشان منزل اور موجب رہنمائی ہے جو زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھ رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مجلس نکاح میں صرف خطبۂ نکاح پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ان احکام اور حکمتوں کو بھی بیان کیا جائے جو قرآن حکیم کی ان آیات میں مضمر ہیں اور جن کی بطور تذکیر نبی اکرمﷺ قراء ت فرمایا کرتے تھے۔ میں آگے جب ان آیات کی مختصر طور پر کچھ شرح کروں گا تو ان شاء اللہ نکاح کے موقع پر ان آیات کی قراء ت کی حکمتیں آپ کے سامنے آ جائیں گی۔

ہمارے دین میں تقویٰ کا مقام

ان آیات کی تشریح و تفہیم سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس اہم بات کی طرف مبذول کرائوں کہ ان آیات میں لفظ تقویٰ بہ تکرار آیا ہے۔ لفظ تقویٰ ہمارے دین کی اہم ترین اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے اصطلاحات کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کسی زبان کی اصطلاح کا ترجمہ و مفہوم کسی دوسری زبان میں ایک لفظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید کے اردو تراجم میں تقویٰ کا ترجمہ عام طور پر ”پرہیز گاری، ڈرنا اور بچنا“ کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی لفظ سے بھی ان معانی و مفاہیم کے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا، جو تقویٰ کی دینی اصطلاح میں شامل ہیں۔ اس لفظ کی شرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بڑی وضاحت و صراحت اور بہت ہی قابل فہم انداز میں فرمائی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس میں امیرالمومنین فاروق اعظم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لفظ ”تقویٰ“ کا مطلب دریافت فرمایا۔ اس کے جواب میں حضرت ابی ابن کعبؓ نے یہ تشریح بیان کی کہ :

> ”یا امیرالمومنین! جب کسی شخص کو جنگل کی ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس کے دونوں اطراف میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہرطرف سے سمیٹ کر اس راستے کو یوں طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائیں۔ اسی احتیاطی رویئے کو عربی میں ”تقویٰ“ کہتے ہیں۔“ (او کما قال)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس تشریح و مفہوم کی تصویب و توثیق فرمائی اور حضرت ابی ابن کعبؓ کو داد بھی دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیوی زندگی کی پگڈنڈی پر ہمارے دائیں اور بائیں یعنی دونوں اطراف میں شہوات، لذات اور معاصی کی خاردار جھاڑیاں موجود ہیں۔ اثم وعدد ان کی ترغیبات و تحریصات کا کوئی شمار نہیں ۔ ایک بندئہ مومن اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کے خوف اور اس کے انعام، نگاہ کرم، نظر ترحم اور

جزا کے شوق سے نافرمانی کے ہر عمل سے بچتا ہوا اور دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرتا ہوا جب زندگی گزارتا ہے تو اس رویئے اور طرزعمل کا نام ”تقویٰ“ ہے اور اسی کو

اختیار کرنے کی قرآن مجید میں دعوت و تاکید کی گئی ہے اور خطبۂ نکاح کے موقع پر جو آیات پڑھی جاتی ہیں ان میں اسی تقویٰ کو اختیار کرنے کی ہدایت و حکم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت

سورۃ النساء کے متعلق آپ میں سے اکثر حضرات کے علم میں یہ بات ہو گی کہ یہ سورئہ مبارکہ معاشرتی زندگی سے متعلق قرآن مجید کی انتہائی جامع سورت ہے۔ خاندانی اور معاشرتی مسائل سے متعلق اس سورئہ مبارکہ میں بڑی تفصیلی ہدایات آئی ہیں۔ اس کی پہلی آیت انسانی معاشرے خصوصاً گھریلو زندگی کیلئے جامع عنوان کا مقام رکھتی ہے۔ لہٰذا اب آئیے اس آیت کریمہ کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں، فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ : اے بنی نوع انسان! اے لوگو! اپنے اس رب (پروردگار اور پالن ہار، ہادی و مربی) کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کی پکڑ اور اس کے محاسبے اور اس کی سزا سے ڈرتے رہو! (چونکہ تم کو اس کے حضور کھڑے ہو کر اپنے ہر عمل کی جو تم سے صادر ہوتا ہے اور ہر اس قول کی جو تمہاری زبان سے نکلتا ہے، جواب دہی کرنی ہے۔) بفحوائے یت قرآنی : ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ آیت کے اس حصہ میں نوع انسانی کو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم اور ہدایت و دعوت دی گئی ہے۔یہی تقویٰ دراصل دین کی جڑ اور اساس ہے، بلکہ نبی اکرم”ﷺ نے تو فرمایا کہ تقویٰ راس الحکمہ ہے۔ دانائی اور حکمت اسی تقویٰ کی مرہون منت ہوتی ہے۔

((رَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ)) (حدیث)

آگے فرمایا:

﴿الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾

(اپنے اس رب کی پکڑ اور محاسبے سے ڈرتے رہو!) جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی جان میں سے اس کا جوڑا بنایا' اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو اس دنیا میں پھیلا دیا۔'' (مراد ہیں حضرت آدمؑ اور حضرت حوا جن سے یہ پوری نسل انسانی چل رہی ہے)۔

اس آیت کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کاملہ اور تخلیق تامہ کے حوالے سے نوع انسانی کو اپنا تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے' کیونکہ جو حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے حقیقی مربی اور خالق ہے اسی کا یہ استحقاق ہے کہ اس کی نافرمانی سے بچا اور اس کی سزا سے ڈرا جائے۔ اس آیت کریمہ کے ابتدائی حصے میں اس اہم اور بنیادی امر کی طرف بھی رہنمائی دے دی گئی ہے کہ پوری نسل انسانی ایک ہی جوڑے (حضرت آدمؑ اور حوا) کی اولاد ہیں۔ گویا وحدت انسانی کی جو دو حقیقی بنیادیں ہیں وہ بھی اسی چھوٹے سے ٹکڑے میں انتہائی جامعیت سے بیان فرما دی گئیں۔ سارے انسان جو آفرینش عالم سے تاحال پیدا ہوئے اور جو تاقیام قیامت پیدا ہوں گے' ان کا رب اور خالق صرف اللہ! اور تمام انسان ایک ہی جوڑے کی ذریت حقیقی اور ایک ہی گھرانا ہے۔ دنیا نے رنگ و نسل اور لسان و وطن کی جو بنیاد قائم کر رکھی ہے' دولت و ثروت او ر وجاہت کو جو تفریق و امتیاز کا سبب بنا رکھا ہے تو اس کی امر واقعہ میں کوئی قیمت ہی نہیں کیونکہ تمام انسان ایک ہی جوڑے کی نسل سے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہاں شرف کا ایک مقام ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ اسی بات کو سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳ میں مزید وضاحت سے بایں الفاظ بیان فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار اور (اللہ سے) ڈرنے والا ہے۔ بے شک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا پورا خبردار ہے۔''

اس آیت سے واضح ہوا کہ خاندانی تفوق اور تفاخر کا زعم' زعم باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرافت و کرامت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔

آگے چلئے! اسی آیت میں تقویٰ کا دوبارہ حکم دیا گیا ہے' چنانچہ فرمایا: **وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ** ''اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطع رحم سے!'' غور کرنا چاہئے کہ اس آیت مبارکہ میں تقویٰ کے حکم کی تکرار کیوں ہے! ویسے تو زندگی کے تمام معاملات کی اصلاح کا دارومدار تقویٰ ہی پر ہے۔ تقویٰ نہیں ہے تو سیاست بھی بے ایمانی اور ظلم و تعدی بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو دین داری بھی سوداگری بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو تولنے والا ڈنڈی مارے گا' ناپنے والا کمی کرے گا' تاجر اور صنعت کار دھوکہ اور فریب سے کام لے گا' ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے بازار میں اس کی مصنوعی قلت پیدا کرے گا اور پھر منہ مانگے داموں پر بازار میں لائے گا۔ تقویٰ نہیں ہے تو لوگ غذا اور ادویات میں ملاوٹ کریں گے' مشہور برانڈوں کی جعلی نقل بنائیں گے ۔ تقویٰ نہیں ہے تو ملازم پیشہ اور مزدور مالکوں کی حق تلفی کریں گے اور کام چوری کریں گے۔ غرض کہ زندگی کے ہر معاملے اور ہر گوشے میں تقویٰ کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زندگی صحیح نہج پر استوار نہیں ہو گی۔ لیکن خاص طور پر گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ اگرچہ زندگی کے بقیہ گوشوں میں کسی حد تک قانون کی عمل داری ہو سکتی ہے' پولیس کا عمل دخل ہے' عدالتوں کا عمل دخل ہے' کسی پر ظلم و زیادتی ہوئی ہے تو داد رسی کے لئے عدالتوں کا کنڈا کھٹکھٹایا جا سکتا ہے اور کسی نہ کسی درجہ میں یہ مختلف عمل داریاں موثر بھی ہو سکتی ہیں لیکن گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس دائرے میں قانون کے جو ادارے ہمارے معاشرے میں موجود ہیں ان کا عمل دخل بہت ہی کم ہے۔ گھر کی چاردیواری میں واقعہ یہ ہے کہ اگر تقویٰ موجود ہو تو تبھی معاملات درست رہیں گے۔ ورنہ سوچئے کہ کس نظام میں یہ ممکن ہے کہ ہر گھر میں ایک سپاہی مقرر کیا جا سکے جو دیکھتا رہے کہ کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی' ایک دوسرے کے حقوق پائمال تو نہیں ہو رہے۔ کوئی شخص اپنی زبان کا غلط استعمال کرتا ہے' اٹھتے بیٹھے وہ اس زبان کے ذریعے ظلم اور زیادتی کر رہا ہے' طعن و تشنیع کو اس نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے تو آخر کون سا قانون ہے جو اس کے آڑے آ سکتا ہے اور کون سی پولیس ہے جو اسے اس سے باز رکھ سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گھریلو زندگی کا دائرہ وہ ہے کہ جس میں تقویٰ اور آخرت کی جواب دہی کا شعور و ادراک اور ایمان و ایقان ہی معاملات کو درست رکھ سکتا ہے: ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ ''انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگران تیار ہوتا ہے!'' یہ بات اگر ہو گی تو دونوں فریق یعنی شوہر اور بیوی اور ان کے اعزہ و اقارب محتاط رہیں گے۔ شوہر بھی اپنے فرائض احساس ذمہ داری سے بجا لائے گا او ربیوی کے حقوق بحسن و خوبی ادا کرے گا اور بیوی بھی صحیح طور پر اپنے خاوند کے حقوق

ادا کرے گی اور اپنے فرائض کو بجا لائے گی- اعزہ و اقارب بھی اپنے اپنے ان فرائض و حقوق کا لحاظ رکھیں گے جو شریعت حقہ نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں- پس معلوم ہوا کہ عائلی اور خاندانی زندگی میں تقویٰ کو وہ مقام حاصل ہے جس کے بغیر گھر گرہستی اور خاندانی نظام کا پورے سکون و اطمینان سے چلنا عملاً ناممکن اور عقلاً محال ہے-

اب آئیے! اس آیت کریمہ کے اس حصے کو مزید سمجھنے کی کوشش کریں- چونکہ میں نے اب تک **واتقوا اللہ** پر اس لحاظ سے گفتگو کی ہے کہ غور کا مقام یہ ہے کہ اسی آیت میں تقویٰ کا حکم بہ تکرار کیوں آیا ہے- آیت کا پورا ٹکڑا یوں ہے: **واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام** "اور ڈرو اس اللہ سے جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطع رحم سے!" یہاں بڑا لطیف اور موثر انداز اختیار فرمایا گیا ہے- عام طور پر مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ اکثر جب کہیں گھریلو معاملات میں ناچاقی ہو جائے تو عدم موافقت اوراختلاف کو ختم کرانے اور مٹانے کے لئے بالآخر خدا کا واسطہ دیا جاتا ہے- خاندان کے بزرگ دونوں فریقوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ "خدا کے واسطے باز آ جائو' خدا کے لئے مان جائو' اختلافات ختم کرو' صلح صفائی کرلو' خدا کے واسطے ایک دوسرے کی زیادتی کو معاف کر دو' خدا کے لئے آئندہ احتیاط کرو' ایک دوسرے کے حقوق اور جذبات و احساسات کا خیال رکھو' خدا کے لئے درگزر سے کام لو وغیرہا" تو جس خدا کا تم کو واسطہ دیا جاتا ہے یا جس خدا کی تم ایک دوسرے کو دہائی دیتے ہو' اگر اس خدا کا تقویٰ تم پہلے سے اختیار کرو' اس کے احکام پر کاربند رہو' جو حدود اس نے معین کی ہیں' ان حدود پر قائم رہو تو ایسے جھگڑے پیدا ہونے کی صورت بہت کم ہو جائے گی اور اگر پیدا ہوئے بھی تو فوری طور پر چک بھی جائیں گے اور طے بھی ہو جائیں گے-

پس جس خدا کا تم واسطہ دیا کرتے ہو' اس کے احکام' اس کے اوامر و نواہی اور اس کی ہدایات و تعلیمات کی پابندی کرو- یہی اصلاً تقویٰ کی روش ہے' یہی دین میں مطلوب ہے اور اس روش کو اختیار کرنے کی برکت سے گھریلو جھگڑے اول تو کھڑے ہی نہیں ہوں گے اور اگر ہو بھی گئے تو اللہ کے فضل سے جلد نمٹ جائیں گے-

آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: والارحام "قطع رحمی سے بھی بچو" رحمی رشتوں کا احترام اور ان کا پاس ہمارے دین میں بڑی اہمیت کا حامل ہے- رحمی رشتوں کو کاٹنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے- اسلام کو ایک بہت ہی منظم اور صالح معاشرہ قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بطور نظام نازل فرمایا ہے: ان الدین عنداللہ الاسلام اسلام ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے جس میں باہمی الفت ہو' مودت ہو' ایک دوسرے کے لئے ہمدردی ہو' ایک دوسرے کے لئے اخوت اور ایک دوسرے کے لئے احترام و اکرام کا جذبہ موجود ہو- اسی مقصد کے لئے اس نے خاندان کے ادارے کو مضبوط کیا ہے- اس خاندان کے ادارے کے دو عرض (Dimensions) ہیں- ایک طرف والدین اور اولاد کا تعلق ہے' دوسری طرف شوہر اور بیوی کا تعلق ہے- لہٰذا اگر ان دونوں اطراف کو صحیح بنیادوں پر استوار کرلیا جائے تو خاندانی نظام درست رہے گا اور اگر کسی معاشرے میں معتدبہ تعداد درست اور صالح خاندانوں کی موجود ہو تو معاشرہ بھی صالح ہو گا اور ایک صالح معاشرے کی برکات پورے طور پر روبہ عمل آئیں گی اور ان کا کاملاً ظہور ہو گا- والدین اور اولاد کے حقوق کی قرآن حکیم میں بڑی اہمیت بیان ہوئی ہے- اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملحق کر کے والدین کے حق کا ذکر فرمایا ہے- چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ میں فرمایا: ﴿**وقضی ربک الاتعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا**﴾ "اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو-" سورۃ القمان کی آیت ۱۴ میں فرمایا: **ان اشکرلی ولوالدیک** کہ "تو میرا شکر گزار بن اور اپنے والدین کا بھی!" اس سے اندازہ کیجئے کہ والدین کے حقوق کی کس قدر اہمیت و تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حق سے ملحق کر کے والدین کے حقوق کا ذکر فرماتا ہے- اسی طرح اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان محبت و الفت اور مودت کا صحیح تعلق قائم ہو- دونوں اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پورے اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہو جس کی برکت سے ان شاء اللہ کوئی نزاع پیدا ہی نہیں ہو گا- یہ ہیں خاندان کے ادارے کے دو عرض- تیسرا عرض ہے قرابت داری کے رشتوں کا احترام اور ان کے حقوق کا لحاظ اور ان کی ادائیگی- چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ دیکھیں گے کہ والدین کے بعد قرابت داروں کے حقوق کا ذکر آئے گا- جیسے فرمایا: **وات ذا القربی حقہ یھاں والارحام** فرما کر ان تمام رحمی رشتوں کی پاس داری کرنے' لحاظ رکھنے' ان کی ادائیگی کا اہتمام کرنے اور ان کی پائمالی سے بچنے کی ہدایت دے دی گئی- اس آیت مبارکہ کے آخر میں فرمایا: **ان اللہ کان علیکم رقیبا** "بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے!" یعنی جان لو کہ تمہارا ایک ایک عمل اللہ کی نگاہ میں ہے- یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ تمہارے عمل کا کوئی محاسبہ نہیں ہو گا اور تمہارے اعمال و اقوال کا کوئی ریکارڈ تیار نہیں ہو رہا- بلکہ جیسا کہ میں سورۃ ق کی یہ آیت دوبار آپ کو سنا چکا ہوں کہ : **مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید** جو بات بھی زبان سے نکلتی ہے وہ ریکارڈ ہو رہی ہے- لکھنے والے موجود ہیں جو اس کو لکھ رہے ہیں! یہی بات سورۃ الانفطار میں فرمائی: وان علیکم لحفظین O کراما کاتبین O یعلمون ماتفعلون "اور بلاشبہ تم پر نگران مقرر ہیں- ایسے معزز کاتب جو

تمہارے ہر فعل و عمل کو جانتے ہیں۔"

مغربی تہذیب کا المیہ

خدا فراموشی اور ہدایت ربانی سے محرومی کے باعث مغربی تہذیب جس کرب اور المیہ سے دوچار ہے' ہماری عظیم اکثریت کو اس کا پتہ ہی نہیں۔ ہم ان ممالک کی ظاہری شان و شوکت اور جاہ و حشمت دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا میں ان سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ "دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں" کے مصداق ان کے ٹھاٹھ باٹھ اور تمدنی ترقی سے ہم اتنے مرعوب ہیں کہ ہمیں ان کے آلام و مصائب کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اور ہم اس مغالطے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہاں ہر طرح سکھ' چین اور سکون و اطمینان ہے۔ حالانکہ اس خداناآشنا تہذیب کا قریبی مشاہدہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ان خدافراموش ممالک میں خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے' جس کی وجہ سے پورا معاشرہ انتہائی کرب اور دکھ میں مبتلا ہے۔ وہاں آزادانہ شہوت رانی کا دور دورہ ہے لہٰذاشادی بیاہ کا بکھیڑا کون مول لے۔ جن لوگوں میں سابقہ روایات کا کچھ پاس ہے' وہ شادی کا بندھن اختیار کرتے ہیں تو ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ شوہر بیوی سے نالاں اور اس کی عصمت و عفت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا۔ اور بیوی شوہر سے بیزار اور اس کے باوفا ہونے کے بارے میں شکوک میں مبتلا مزید برآں اول تو مانع حمل تدابیر سے اولاد کے جھمیلے سے بچائو ہوتا ہے' لیکن کسی کو اگر اولاد کی چاہت ہوئی بھی تو اکثریت کے بچے نرسریوں (Nursaries)میں پرورش پاتے ہیں۔ لہٰذا محبت مادری اور شفقت پدری سے یکسر محروم اس اولاد کے دل والدین کی محبت اور احترام سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کے دلوں میں اولاد کی محبت کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہوتا ہے لیکن اولاد کا حال یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت تو کجا' ان سے ملنے اور ان کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے لئے بھی فرصت اور وقت ہی نہیں۔ بوڑھے ماں باپ اولاد کی شکل دیکھنے کے لئے سالوں ترستے رہتے ہیں۔ وہاں ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لئے جن کی بیویاں یا شوہر وفات پا چکے ہوں اور جو تنہا رہ گئے ہوں' ہوسٹل قائم ہیں تاکہ وہ دوسرے بوڑھوں اور بوڑھیوں کی معیت میں تنہائی کے احساس کو مٹا سکیں۔ یہ ہے خاندانی نظام کے برہم ہونے کی نقد سزا جو مغربی معاشرہ بھگت رہا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں بھی جو لوگ مغربی تہذیب کے اندھے مقلد ہیں اور اس کی تمدنی ترقی سے جن کی نگاہیں خیرہ ہو چکی ہیں' جن کے ذہن و قلب اس خدا ناآشنا تہذیب سے مرعوب ہیں' پھر یہ لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے دین کی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں وہ بھی اسی المیہ اور کرب میں مبتلا ہیں کہ جس اولاد کو بڑے لاڈ پیار سے پالا پوسا تھا' اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی' جس کے لئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا تھا ان میں سے بھی اکثریت کو مکافات عمل کے اسی قاعدے سے سابقہ پیش آتا ہے کہ جیسا بوئو گے ویسا کاٹو گے۔ یہ لوگ بھی اولاد کی شکل دیکھنے کو ترستے ہیں اور یہ حسرت لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد بڑھاپے میں ان کے پاس بیٹھے' ان کو کچھ وقت دے اور ان کی دل جوئی کرے۔ جب ماں باپ کے ساتھ یہ ناروا رویہ و سلوک ہو تو بھلا قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا کیا سوال! یہ ہے ہدایت ربانی کو پس پشت ڈالنے کی نقد سزا جو دنیا ہی میں بھگتنی پڑتی ہے — آخرت میں دائمی طور پر ایسے لوگ جس دردناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں' وہ علیحدہ ہے —

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح میں نبی اکرمﷺ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ کی بھی قرات فرماتے تھے:

یایہا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون

"اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے (اس سے ڈرنے) کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم (اللہ کے) فرمانبردار ہو۔"

غور فرمائیے کہ اس آیت میں بھی اہل ایمان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس حکم کو موکد کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تقویٰ بھی معمولی نوعیت کا مطلوب نہیں بلکہ پوری حدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے۔ "**حق تقتہ**" کی شان والا تقویٰ درکار ہے۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور ہمیں خیال ہی نہیں آتا کہ یہ حکم ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ آیت سنی تو وہ لرز اٹھے۔ وہ جانتے تھے کہ تقویٰ کا اصل حق ادا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے نبی اکرمﷺ سے فریاد کی کہ ہم تو مارے گئے۔ ہم میں سے کون ہو گا جو تقویٰ کا پورا حق ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین صادقین کی دل جوئی اور اطمینان کے لئے سورۃ التغابن میں وضاحت فرمائی کہ: **فاتقوا اللہ ما استطعتم** ط(آیت۔ ۱۶) یعنی انسان حد استطاعت تک ہی مکلف ہے۔ انسان خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی سعی کرتا رہے شعوری طور پر اس کی نافرمانی سے مجتنب

رہے تو بربنائے بشری اس سے جو لغزشیں ہوں گی ان کو اللہ تعالیٰ اپنی شان غفاری و رحیمی کے طفیل معاف فرما دے گا۔ لیکن کس کو کتنی استطاعت ملی ہے‘ اس کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا۔ بندہ اگر اس مغالطہ میں مبتلا ہو گیا کہ مجھ میں فلاں فرائض دینی انجام دینے کی استطاعت ہی نہیں تو جان لیجئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین محاسبہ سے لازماً سابقہ پیش آ کر رہے گا‘ اور ایسا شخص انجام کے لحاظ سے سخت خسارے میں رہے گا۔

خطبۂ نکاح کے موقع پر اس آیت کی قرات کی حکمت بادنیٰ تامل سمجھی جا سکتی ہے۔ میں نبی اکرمﷺ کی یہ حدیث آپ کو سنا چکا کہ: **راس الحکمۃ مخافۃ اللّٰہ** نیز میں عرض کر چکا کہ ایک بندئہ مومن جادئہ حق پر تقویٰ کے بغیر قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ مزید یہ کہ ہمارے دین میں تقویٰ کا جو مفہوم ہے وہ حضرت ابی ابن کعبؓ کے حوالے سے بھی بیان کر چکا۔ ان تمام امور کو سامنے رکھئے اور پھر غور کیجئے کہ خاندانی اور عائلی زندگی میں تقویٰ ایک مسلمان کے لئے کتنی عظیم اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا خطبۂ نکاح کے موقع پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت ایک ذی ہوش اور باشعور انسان کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہے اور اس کو زندگی کے اس نئے دائرے میں قدم رکھتے ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ کتنی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ اس کے کاندھوں پر آ رہا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ زندگی کی اس نئی راہ کے لئے اس کا اصل زادسفر اگر کچھ ہے تو وہ اللہ کے تقویٰ کے سوا کچھ نہیں۔

آگے چلئے! اسی آیت کے اختتام پر فرمایا کہ: ﴿ولا تموتن الا وانتم مسلمون﴾ زندگی کے سفر میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کتنی مہلت عمر لے کر آیا ہے۔ لہٰذا آیت کے اس حصہ میں یہ لطیف حقیقت بھی واضح فرما دی کہ اللہ کا تقویٰ صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے بلکہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ اسی تقویٰ اور فرمانبرداری کی روش ہی پر جینا اور مرنا ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ابھی تو جوانی اور شباب کا عالم ہے‘ امنگوں اور ولولوں کا زمانہ ہے‘ لہٰذا اب تو دل کے ارمان اور چاہت نکالنے کا دور ہے۔ نہیں‘ ہرگز نہیں! تم کو کیا معلوم کہ قضائے الٰہی کب آ جائے اور کب مہلت عمل ختم ہو جائے۔ لہٰذا زندگی کے ہر ہر لمحے کو خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت میں گزارنے کا عزم مصمم رکھو اور تابع فرمانی کی روش ہمہ وقت اختیار کئے رکھو‘ تاکہ جب بھی موت کا فرشتہ آئے‘ اور وہ اچانک بھی آ سکتا ہے‘ تو اس وقت بھی تم متقی اور فرمانبردار ہو اور اسی حال میں آخرت کی منزل کی طرف رحلت کرو جو ہر انسان کی حقیقی زندگی کا دائمی گھر ہے: ﴿وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان ط لو کانوا یعلمون﴾ (سورۃ العنکبوت: ۶۴)

سورۃ الاحزاب کی دو آیات

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کے آخر میں نبی اکرمﷺ سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات کی قرات فرمایا کرتے تھے۔

﴿یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم ط ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما﴾ (آیات: ۷۰‘ ۷۱)

”اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو اور درست بات کہا کرو! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سدھار دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔“

غور کا مقام ہے کہ یہاں بھی پہلی آیت کے آغاز میں اسی تقویٰ کے اختیار کرنے کے حکم کا اعادہ ہے جو سورۃ النساء کی پہلی آیت میں دو بار اور سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں حق تقتہ کی تاکید کے ساتھ ایک بار آ چکا ہے۔ اب اس آیت میں اس کا پھر اعادہ ہو رہا ہے۔ اس سے ہر مسلمان بالخصوص اس دولہا کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے کہ گھر گرہستی کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو ہر لمحہ‘ ہر لحظہ اور ہر قدم پر ملحوظ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ گویا عائلی زندگی کی مسرت و راحت اور سکون و اطمینان کا انحصار ہی تقویٰ کی روش پر ہے۔ اس کے بغیر یہ متاہل زندگی باعث راحت اور شادمانی ہونے کے بجائے باعث کلفت و پریشانی بن سکتی ہے۔ اسی آیت کریمہ میں دوسرا حکم ہے: ﴿وقولوا قولا سدیدا﴾ ”اور بات کرو درست اور سیدھی“! میں منہ سے نکلنے والی بات کی اہمیت کا اپنی تقریر کی ابتدا میں اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔ اب اس موقع پر اس حکم ربانی کی حکمت کی تفہیم کے لئے مجھے قدرے تفصیل سے کچھ عرض کرنا ہے۔

زبان (قول) کا ہمارے معاشرے سے تعلق

آپ یقیناً اس بات سے اتفاق کریں گے کہ بین الانسانی معاملات میں اکثر و بیشتر زبان کا غلط استعمال بہت سے فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ انسانی تعلقات میں نفرت اور بیر کا بیج بونے اور پھر اس کو نشوونما دینے اور دلوں میں زہر گھولنے میں زبان کے غلط استعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نبی اکرمﷺ نے اس کو حصائد الالسنتہ سے تعبیر کیا ہے یعنی یہ زبانوں کی کھیتیاں ہیں‘ جو کاٹنی پڑتی ہیں۔ زبان آپ کے قابو میں نہ ہو اور اس کا غلط استعمال ہو تو یہی بات بہت سی خرابیوں‘ برائیوں اور تعلقات میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ عربی کی کہاوت ہے کہ: ”تلوار کے زخم مندمل ہو جاتے

ہیں لیکن زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا“! ہم میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تجربہ ہو گا کہ اس کہاوت میں بڑی صداقت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جسمانی زخم بھر جاتے ہیں‘ لیکن زبان کے گھائو کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا مشکل‘ بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ چونکہ زبان کا گھائو براہ راست دل پر جا کر لگتا ہے‘ جس کے اندمال کا کوئی سوال ہی نہیں۔ شوہر او ر بیوی‘ ساس اور بہو اور اعزہ و اقارب کے مابین جو پیچیدہ اور لاینحل مسائل و تنازعات کھڑے ہو جاتے ہیں‘ ان کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر کی اصل جڑ اور بنیاد زبان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ بین الانسانی معاملات میں قولاً سدیداً اور قول حسن کی اہمیت اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ البقرۃ میں بنی اسرائیل سے لئے جانے والے جس عہد و پیمان اور میثاق کا ذکر ہے اس میں زبان کاصحیح استعمال بھی شامل ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿واذا اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا وذی القربی والیتمی والمسکین وقولوا للناس حسنا واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ ط ﴾(آیت: ۸۳)

یاد کرو! اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک اور لوگوں سے درست اور بھلی بات کہنا۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔“

زبان کے غلط استعمال کی ممانعت

معاشرتی زندگی کوصحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے سورۃ الحجرات میں بھی بڑے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں اور ان تمام مفاسد کے انسداد کے لئے ہدایات دی گئی ہیں جو ایک خاندان اور معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔ان تمام مفاسد کا تعلق زبان اور قول ہی سے ہے۔ وہاں فرمایا:

﴿یایھا الذین امنوا لایسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیر امنھم ولانساء من نساء عسیان یکن خیرا منھن ج ولا تلمزوا انفسکم ولاتنا بزوا بالالقاب ط بئس الاسمہ الفسود بعھدالایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظلمون﴾ (آیت : ۱۱)

”اے ایمان والو!نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں! ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں‘ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد برائی کا زبان پر آنا بھی بہت ہی بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔“

اسی سورت کی اگلی آیت کے درمیان غیبت سے منع کیا گیا اور اس فعل کی شناعت کو ظاہر کرنے کے لئے وہ تشبیہہ دی گئی جس سے زیادہ دل میں کراہت پیدا کرنے والی کوئی تشبیہہ دینا ممکن ہی نہیں۔ فرمایا:

ولا یغتب بعضکم بعضا ط ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ (آیت : ۱۲)

”اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا بھی ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ اس سے تو تم خود گھن کھائو گے۔“

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان آیات میں جن باتوں سے روکا گیا ہے ان کا تعلق زبان ہی سے ہے۔ کسی کا تمسخر کرنا ہو‘ مذاق اڑانا ہو تو اس کا صدور بھی اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے۔ویسے اس میں کسی کی نقل کرنا‘ کسی کی صورت یا لباس یا کسی کام پر ہنسنا‘ یا کسی کے نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ لوگ اس پر ہنسیں‘ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہیں‘ لیکن مذاق اڑانے کا بیشتر تعلق زبان ہی سے ہے۔

آگے فرمایا: ﴿ولا تلمزو انفسکم﴾ ”آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے پر عیب لگائو“! لفظ ”لمز“ بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ اس کے مفہوم میں طعنہ زنی کرنا‘ چوٹیں کرنا‘ پھبتیاں کسنا‘ الزام لگانا‘ اعتراض جڑنا اور عیب چینی کرنا یہ سب افعال شامل ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿ولا تنابزوا بالالقاب﴾ ”کسی کو برے القاب سے مت پکارو“ ۔کسی کو ایسا لقب دینا جس سے اس کی تذلیل ہوتی ہو۔ مثلاً کسی کو چڑانے کے لئے کوئی نام رکھ دیا‘ جس کو عرف عام میں ”چڑ“ کہتے ہیں۔ کسی کو بونا کہہ دیا‘ کسی کو لنگڑا‘ لولا‘ کانا‘ اندھا اور بہرا کہہ دیا‘ کسی کو اس کے اپنے یا اس کے ماں باپ یا خاندان کے کسی حقیقی یا غیرحقیقی عیب یا نقص سے منسوب کر دیا‘ یا کسی کو تمسخر اور مضحکہ خیز نام سے موسوم کر دیا۔ ایسے سب افعال تنابز بالالقاب میں شمار ہوں گے۔ غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہہ دے کر اس کی شناعت ظاہر کی گئی ہے۔ غیبت پیٹھ پیچھے کی جاتی ہے۔ اور جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے اور نوچنے پر وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا اسی طرح وہ بے چارہ جس کی غیبت کی جا رہی ہوتی ہے‘ اس غیبت سے بالکل بے خبر ہوتا ہے اور اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کہاں اور کس نے اس کی عزت

و وقار کو مجروح کیا ہے' اور اس طرح وہ بھی اپنے دفاع سے قاصر ہوتا ہے۔

مزید غور سے دیکھئے کہ ایسے تمام افعال کو "فسق کا نام زبان پر لانا" قرار دیا گیا ہے۔ فسق دین کی اصطلاح میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ایمان لانے کے بعد ایسے کام کرنا عدالت الٰہی میں فسق میں نام پیدا کرنا قرار پائے گا۔ ﴿بئس الاسم الفسوق بعد الایمان﴾ سورۃ الحجرات کی ان آیات میں جن برائیوں اور گناہوں کے لئے نواہی (اجتناب کرنے' بچنے' رکنے) کے احکام آئے ہیں یہ خرابیاں وہ ہیں جن کے ارتکاب کا ہمارے معاشرے بالخصوص مجلسی اور گھریلو زندگی میں بڑا چلن ہے۔ کھانے کے دسترخوان پر چند لوگ جمع ہوں تو ماکولات کے ساتھ جو لذیذ ترین ڈش ہوتی ہے وہ یہی ہمزولمز' تنابز بالالقاب' تمسخر و استہزاء اور غیبت ہوتی ہے۔ عورتیں اس مرض میں زیادہ مبتلا نظر آتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب بھی چند عورتیں جمع ہوں گی تو انہی برائیوں کا ارتکاب ہو گا۔ کسی کا چڑائونا نام رکھ چھوڑا ہے' کسی کو طعنہ دے دیا ہے' کسی کا مذاق اڑا دیا ہے' کوئی چبھتا ہوا فقرہ کس دیا ہے' کسی کی چغلی کھائی ہے۔

عام طور پر اس قسم کی باتیں خوش گپیوں کے لئے **Light Mood** میں کہی جاتی ہیں اور اکثر آدمی ان کو ہنس کو ٹال بھی دیتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہو' اس کی اس وقت ایسی ذہنی و نفسیاتی کیفیت ہو کہ یہ بات اس کے دل پر چرکا اور گہرا داغ لگانے کا سبب بن جائے اور ایسا گھائو ڈال دے جس کا اندمال ممکن نہ ہو۔

نبی اکرمؐ کی ہدایات

میں چاہتا ہوں کہ زبان کو احتیاط سے استعمال کرنے کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی احادیث شریفہ بھی آپ کو سنا دوں جن سے آپ کو اور خاص کر دولہا اور اس کے اعزہ و اقارب کو معلوم ہو جائے کہ زبان کے درست استعمال میں کیا خیر ہے' ایسے لوگوں کے لئے کیا بشارت ہے اور زبان کے غلط اور غیرمحتاط استعمال کی کیا خرابی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے عقوبت کی کیا وعید ہے!

پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے جو قرآن مجید کے بعد اہل سنت کے نزدیک صحیح ترین کتاب ہے۔ حدیث یہ ہے:

((عن سھل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من یضمن لی مابین لحییه وما بین رجلیه اضمن له الجنة))

"حضرت سہل ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ سول اللہﷺ نے فرمایا: "جو مجھے (ان دو چیزوں کی) ضمانت دے جو اس کے دو گالوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ) تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

ہم سب کے لئے اور خاص طور پر دولہا کے لئے اس حدیث میں بڑا سبق ہے۔ نبی اکرمؐ نے زبان کے صحیح استعمال کرنے اور جنسی تقاضے کو جائز طور پر پورا کرنے والے کے لئے جنت کی ضمانت اپنے ذمہ لی ہے۔

دوسری ایک طویل حدیث ہے جس کے راوی ہیں حضرت معاذ ابن جبلؓ اور جس کو امام احمد بن حنبل' امام ترمذی اور امام ابن ما جہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی کتب احادیث میں درج کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ طویل حدیث ہے' جس میں حضرت معاذ ابن جبلؓ کے اس سوال پر کہ" اے اللہ کے رسولؐ! مجھے ایک ایسے عمل کی خبر دیجئے جو مجھ کو جنت میں داخل کر دے اور آگ سے دور رکھے"'اس سوال کے جواب میں نبی اکرمؐ نے دین کے تمام امور مہمات کی تعلیم دی جن میں توحید کے ساتھ اللہ کی عبادت و اطاعت' اقامت صلوٰۃ' ایتائے زکوٰۃ' صوم رمضان' حج بیت اللہ کے فرائض دینی بھی شامل ہیں۔ نفلی روزے اور صدقے اور نوافل بالخصوص تہجد کے فضائل بیان فرمائے اور دین کی بلند ترین چوٹی اور اعلیٰ ترین نیکی **(Highest Virtue)** جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ ان امور کی تعلیم کے بعد حضورؐ نے جو آخری ارشاد فرمایا اس کا چونکہ میری اس گفتگو سے براہ راست تعلق ہے لہذا میں اس کو متن کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا:

((ثم قال الا اخبرک بملاک ذلک کله قلت بلی یا نبی اللہ فاخذ بلسانه وقال کف عبث ھذا فقلت یا نبی اللہ وانا لمؤاخذون بمانتکلم به قال ثکلتک امک یا معاذ وھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم او علی مناخرھم الاحصائد السنتھم))

"پھر (نبی اکرمؐ نے) فرمایا: (اے معاذؓ!) کیا میں تجھ کو نہ بتلائوں وہ بات جس پر اس (دخول جنت) کا مدار ہے؟" میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا نبی اللہ! پھر حضورؐ نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا: اس کو تو بند کر لے!" میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! کیا ہم اس چیز کے ساتھ پکڑے جائیں گے جو ہم بولتے ہیں؟ فرمایا "گم کرے تجھ کو تیری ماں اے معاذؓ! لوگوں کو آگ میں ان کے منہ کے بل یا ناک کے بل ان کی زبان کی باتیں ہی گرائیں گی' یعنی زبان کی کھیتیاں ہی ہوں گی جو وہ آخرت میں کاٹیں گے۔"

مقام عبرت

ہم نے زبان کے غلط استعمال کو ہنسی مذاق سمجھ رکھا ہے۔ طعن و تشنیع کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ہلاکت

خیزیاں اتنی ہیں کہ یہ فعل انسانوں کے تعلقات بگاڑتا ہے اور یہ بگاڑ بسا اوقات قطع تعلقات اور مستقل نفرت و عداوت پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے اور یہ عداوت مستقل شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ کتنے ہی خاندان ہیں جو زبان کے غلط استعمال سے تباہ ہو جاتے ہیں' کتنی ہی سہاگنوں کے سہاگ اجڑ جاتے ہیں اور وہ معلق ہو کر اپنی جوانی کو ماں کے گھٹنے سے لگ کر گزار دیتی ہیں- کتنے ہی مرد و عورت ہیں جو بے راہروی اختیار کر لیتے ہیں- کتنے معصوم بچے ہیں جن کی اٹھان غلط رخ پر ہوتی ہے' وہ آوارہ ہو کر معاشرے کے لئے بوجھ بن جاتے ہیں-

ان تمام خرابیوں کا علاج سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تجویز فرما دیا گیا: ﴿یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولو قولا سدیدا﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور درست بات کہا کرو-'' اس تقویٰ الٰہی اور قول سدید کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال درست اور اصلاح یافتہ کرے گا اور تمہاری خطائوں اور لغزشوں کو معاف فرما دے گا: ﴿یصلح لکم اعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم﴾ جو شخص گھر کی زندگی میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور زبان کے استعمال میں محتاط رہے گا ظاہر ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام ہی معاملات میں اس کی شخصیت میں اس عمل کی برکات کا ظہور ہو گا- اور اس کی دو رنگی زندگی نہیں ہو گی' جس کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص باہر والوں کے لئے بڑا خوش مزاج' بااخلاق' حلیم و شفیق اور خلیق ہے لیکن گھر والوں کے لئے فرعون بے سامان بنا رہتا ہے- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کو ایسے دو رخے' دوغلی اور دو رنگی زندگی اختیار کرنے والے قطعی ناپسند ہیں-

نبی اکرم ﷺ نے تو گھر والوں' بیوی بچوں' ماں باپ اور قرابت داروں کی ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کو افضل ترین انسانوں میں سے قرار دیا ہے- چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں یہ روایت درج کی ہے:

عن عائشۃ قالت' قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ((خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی))

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک بہترین ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہترین سلوک کرنے والا ہوں!''

یہی روایت امام ابن ماجہؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے- اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کا ہمارے دین میں کتنا ارفع و اعلیٰ مقام ہے-

اطاعت کے لوازم

سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تقویٰ الٰہی اور قول سدید اللہ اور رسول کی اطاعت کے لوازم میں شامل ہیں- چنانچہ آخر میں فرمایا:

من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرے گا' وہی کامیاب قرار پائے گا اور اسے وہ کامیابی حاصل ہو گی جو بڑی عظیم کامیابی ہے-''

حضرات! نبی اکرم ﷺ خطبۂ نکاح کے موقع پر جن آیات کی عموماً قرات فرمایا کرتے تھے' میں نے اس مختصر سے وقت میں ان کی شرح اور ان کی حکمتیں عرض کر دی ہیں- مجھے توقع ہے کہ آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ اس موقع کی مناسبت سے کس قدر اہم ہدایات ہیں جو ان آیات مبارکہ میں بیان ہوئیں- اور ان میں ہم سب کے لئے اور خاص طور پر دولہا کے لئے وہ تذکیر' نصیحت' ہدایت اور رہنمائی موجود ہے جن کو زندگی کے ہر معاملہ اور ہر موڑ پر بالخصوص معاشرتی زندگی میں اگر سامنے رکھا جائے تو ان شاء اللہ اس کی برکت سے خاندان بھی خوش و خرم رہے گا' اس میں سکون و اطمینان کی فضا قائم و دائم رہے گی' اور اس کا عکس ہمارے معاشرے میں مترتب ہو گا جو نظام اسلامی کے نفاذ و قیام اور استحکام میں ممد و معاون ثابت ہو گا جس کے بغیر اسلامی نظام کا نفاذ و قیام بھی مشکل' اور اگر ہو بھی جائے تو اس کا مستحکم ہونا مشکوک!

نکاح سنت رسول ہے

حضرات! ہمارے علماء و خطباء نکاح میں ان آیات کی قرات کے بعد احادیث میں سے دو حدیثوں کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی پڑھا کرتے ہیں- چنانچہ میں نے بھی وہ ٹکڑے آپ کو سنائے ہیں- عام طور پر بعض حضرات ان کو اس طرح پڑھ دیتے ہیں کہ یہ ایک ہی حدیث معلوم ہوتی ہے- اچھی طرح جان لیجئے کہ یہ دو حدیثوں کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہیں' مکمل احادیث نہیں ہیں- پہلا ٹکڑا اس حدیث کا ہے جس کو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''النکاح من سنتی ''نکاح میرا طریقہ اور میری سنت میں سے ہے!''اس میں درحقیقت اس راہبانہ تصور کی نفی اور تردید کی جا رہی ہے جو دنیا میں رائج رہا ہے- رہبانیت کا یہ تصور آپ کو عیسائیوں میں بھی نظر آئے گا اور ہندوئوں میں بھی- دنیا کے

اور بھی مذاہب ہیں جیسے بدھ مت‘ جین مت‘ ان میں بھی یہ تصور مشترک ملے گا کہ یہ نکاح اور گھر گرہستی کی زندگی روحانیت کے اعتبار سے گھٹیا درجہ کی زندگی ہے۔ اس اعتبار سے ان مذاہب میں اعلیٰ زندگی تجرد کی زندگی ہے۔ شادی بیاہ کے بندھن کو یہ مذاہب روحانی ترقی کے لئے رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔ مرد ہو یا عورت دونوں کے لئے تجرد کی زندگی کو ان کے ہاں روحانیت کا اعلیٰ و ارفع مقام دیا جاتا ہے۔ نکاح کرنے والے ان مذاہب کے نزدیک ان کے معاشرے میں دوسرے درجہ کے شہری (second rate citizen) شمار ہوتے ہیں‘ کیونکہ شادی بیاہ کے کھکیڑ میں پڑ کر انہوں نے اپنی حیثیت گرا دی ہے۔

ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے

نبی اکرم ‘ ﷺ نے اس تصور کی کامل نفی اور تردید فرمائی ہے‘ قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی۔ حضورؐ نے فرمایا میرا طریقہ یہ نہیں ہے۔ میں جو دین لے کر آیا ہوں وہ دین فطرت ہے۔ یہ دین انسان کے کسی بھی طبعی اور فطری تقاضے پر کوئی غیرفطری قدغن عائد نہیں کرتا‘ نہ ہی وہ یہ چاہتا ہے کہ ان تقاضوں کو بالکلیہ کچل دیا جائے۔ اس کے برعکس ہمارا دین ان فطری تقاضوں کو صحیح رخ پر اور صحیح راستوں پر ڈال دیتا ہے اور صحیح خطوط پر Chanalise کرتا ہے۔ ان کا جو صحیح مصرف ہے‘ اس کے لئے اس نے جائز راہیں متعین کر دی ہیں۔ ان راستوں کو اختیار کرنے میں ہی خود انسان کے لئے اپنی انفرادی سطح پر بھی بھلائی ہے اور اجتماعیت کے اعتبار سے بھی اسی میں خیر ہے۔ لہٰذا ان تقاضوں کے پورا کرنے کا جو صحیح‘ جائز اور مفید طریقہ ہے اس کے لئے اس نے راستہ کھلا رکھا ہے جیسے نکاح۔ البتہ وہ غلط راستے بند کرتا ہے جیسے زنا‘ آزادانہ شہوت رانی کا طریقہ جو فرد کے لئے موجب شر اور معاشرے کے لئے موجب فساد ہوتا ہے۔ اسلام نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ رہبانیت سے تاکیداً منع کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ”ﷺ نے فرمایا: لا رھبانیۃ فی الاسلام ”اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے!“یہاں جو لام استعمال کیا گیا ہے‘ وہ عربی کے قاعدے کے مطابق لام نفی جنس کہلاتا ہے۔ جس کا مطلب ہوا کہ ہر قسم کی رہبانیت کی نفی ہو گئی۔ یہی بات میں دوسری طویل حدیث میں واضح طور پر آپ کے سامنے بعد میں پیش کروں گا جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ فمن رغب عن سنتی فلیس منی ”جو میری سنت کو ناپسند کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“

ایک اہم احتیاط جو ہم سب کو ملحوظ رکھنی ضروری ہے

میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر اس اہم بات کی طرف بھی توجہ دلاؤں جو عام طور پر دوسرے مذاہب کے زیراثر چاہے وہ ہندوانہ تصورات ہوں یا عیسائیوں کے خیالات‘ ہماری اکثریت کے ذہنوں میں بھی بیٹھ گئی ہے اور وہ یہ کہ شادی نہ کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا واقعی کوئی اعلیٰ و ارفع نیکی ہے۔ چنانچہ عام طور پر بعض بزرگوں کے تذکرے میں ہماری زبانوں پر یہ الفاظ آ جاتے ہیں کہ فلاں بزرگ بڑے ہی اللہ والے اور عابد و زاہد تھے‘ انہوں نے زندگی بھر شادی ہی نہیں کی گویا اس بزرگ کا شادی نہ کرنا ایک قابل مدح و تعریف کام قرار پایا۔ اب آپ خود سوچئے کہ اس بات کی زد غیرمحتاط انداز اور غیرشعوری طور پر کہاں پڑ رہی ہے۔ ع ”ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانے میں“ اس کی زد پڑ رہی ہے نبی اکرم ‘ﷺ پر۔ اگر شادی نہ کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا کوئی قابل تحسین کام ہے‘ کوئی اعلیٰ و ارفع عمل ہے‘ زہد‘عبادت اور نیکی کا کوئی بلند تر مقام ہے‘ تو نعوذ باللہ من ذالک نبی اکرمؐ تو اس سے محروم رہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ہمارے لئے یہ احتیاط لازم ہے کہ اس قسم کی بات کو مدح و تعریف کے طور پر زبان سے کبھی نہ نکالا جائے---- یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس نے نکاح نہ کیا ہو تو اس کے خلاف کوئی فتویٰ ہی دے دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی حقیقی مجبوری ہو‘ حالات شادی کی اجازت نہ دیتے ہوں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے۔ لہٰذا ایسے بزرگوں پر تنقید کی زبان کھولنا بھی صحیح نہیں ہو گا۔ البتہ جو احتیاط ضروری ہے وہ یہ کہ تجرد کی زندگی کی مدح ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ کا فرمان یہ ہے کہ: النکاح من سنتی اگر اس کے برعکس روش کو آپ نے مقام مدح قرار دیا اور اس کو نیکی کا کوئی اعلیٰ کام سمجھا تو اس میں نبی اکرمؐ کے لئے قدح کا پہلو نکل آئے گا اور ہمارا ایمان زائل اور اعمال حبط ہو جائیں گے۔

دوسری حدیث کا آخری ٹکڑا جو میں نے آپ کو سنایا کہ: **فمن رغب عن سنتی فلیس منی** وہ اسی: **النکاح من سنتی** کا لازمی نتیجہ ہے۔ نبی اکرمؐ کی امت میں شامل ہونے کا لازمی تقاضا اور نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ ہر امتی کو نبی اکرم ﷺ کا طریقہ اور سنت عزیز ترین اور محبوب ترین ہو---- اگر وہ کسی سنت پر عمل کرنے سے معذور و قاصر ہو تو اس کو ملول و مغموم ہونا چاہئے‘ اس کو اپنی بدنصیبی سمجھنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ حضورؐ کی سنت کو ناپسند کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق حضور اکرمؐ سے نہیں‘ چاہے وہ ایمان کا مدعی ہو‘ زبانی طور پر اس کے عشق رسولؐ کے بڑے بڑے دعوے ہوں‘ کتنا ہی وہ غلام نبی بنا پھرتا ہو۔ لیکن اگر اسے سنت رسول ”ﷺ ناپسند ہے‘ اور وہ اسے کسی درجہ میں بھی لائق التفات نہیں سمجھتا تو اس کے عشق رسول کے تمام دعوے جھوٹے اور باطل ہیں۔ یہی مفہوم اور مطلب ہے: **فمن رغب عن سنتی فلیس منی** کا!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے تو مناسب ہے کہ عربی میں لفظ رغبت جب الیٰ کے صلے (**Preposition**) کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی چیز کو پسند کرنا' اس کی طرف میلان طبع ہونا اور رغبت ہونا ہوتا ہے۔ رغب الی کے معنی یہی ہوتے ہیں اور لفظ رغبت اردو میں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں جب یہ لفظ عن کے صلہ کے ساتھ آئے گا "رغب عن" تو اس کے معنی کسی چیز کو ناپسند کرنے اور کسی چیز سے نفرت اور روگردانی کے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث کے اس ٹکڑے میں **رغب عن** استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا مفہوم کسی چیز یا کام کو ناپسند کرنا' اور اس سے نفرت و روگردانی کرنا ہو گا۔

رشد و ہدایت کی صراط مستقیم

حضرات! اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ حدیث مع ترجمہ مکمل طور پر بھی سنا دوں جس کا آخری ٹکڑا ہے: **فمن رغب عن سنتی فلیس منی** اس حدیث میں ہم سب کے لئے رشد و ہدایت اور دین کے مطابق معتدل و متوازن زندگی کی صراط مستقیم کی طرف کامل رہنمائی موجود ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی اس کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم رحمتہ اللہ علیہما متفق ہیں اور اہل سنت کے نزدیک ایسی احادیث کا مقام بلند ترین قرار پاتا ہے۔ حدیث یہ ہے:

عن انس رجال جاء ثلثة رهط الى ازواج النبى صلى الله عليه وسلم يسئلون عن عبادة النبى صلى الله عليه وسلم فلما اخبرو بها كانهم تقالوها فقالوا اين نحن من النبى صلى الله عليه وسلم وقد غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فقال احدهم اما انا فاصلى الليل ابدا وقال الاخر انا اصوم النهار ابدا ولا افطر وقال الاخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء النبى صلى الله عليه وسلم اليهم فقال انتم الذين قلتم لاخشكم لله و اتقكم له لكنى اصوم وافطر واصلى وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتى فليس منى

انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں کے پاس تین آدمی آئے اور نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھا۔ جب ان کو خبر دی گئی' انہوں نے اس کو کم جانا اور کہنے لگے ہماری نبی ﷺ کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ایک کہنے لگا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا' کبھی نکاح نہ کروں گا۔ نبی ﷺ ان کے پاس آئے پس فرمایا تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ خبردار! اللہ کی قسم میں تمہاری نسبت اللہ سے بہت ڈرتا اور تقویٰ کرتا ہوں' لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں' نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا' وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (متفق علیہ)

لمحات فکریہ

آخر میں یہ عرض کرنا میں اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ صرف نکاح ہی سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا جو میں نے سنائیں اور جن سے یہ بات ہمارے سامنے بصراحت آ گئی ہے کہ یقینا نکاح سنت رسولؐ ہے' لیکن قرآن حکیم نے نبی اکرم ﷺ کی پوری حیات مبارکہ کو امت کے لئے اسوئہ حسنہ قرار دیا ہے۔ بفحوائے فرمان الٰہی: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (سورۃ الاحزاب: ۲۱) معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ کی پوری زندگی ہمارے لئے بحیثیت مجموعی سنت کا مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس پر ہرگز مطمئن نہیں ہونا چاہئے کہ نکاح کی سنت ہم نے ادا کر دی اور پھر حضورؐ کے اس فرمان مبارک کی بھی تعمیل کر دی کہ: اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المسجد "نکاح کا اعلان عام کیا کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کرو۔" ٹھیک ہے رسول اللہ ﷺ کی ان سنتوں کی ادائیگی کی جن کو توفیق و سعادت ملی' وہ قابل مبارکباد ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی غور کرنا ہو گا کہ زندگی کے بقیہ معاملات میں سنت کے تقاضے کیا ہیں' نبی اکرم ﷺ کا اسوئہ حسنہ کیا ہے — دین کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے اور نبی اکرمؐ کی تمام سنتوں کی ادائیگی کا فکر و اہتمام کرنے ہی میں دراصل ہماری دینوی و اخروی صلاح و فلاح اور نجات کا دارومدار ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۷۱ کے آخر میں فرمایا کہ: ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ آیا ہے — موقع نہیں ورنہ میں آپ کو ان میں سے چند آیات سناتا پس اتنا جان لیجئے کہ اللہ کی اطاعت' رسولؐ کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: من اطاعنی فقد اطاع اللہ ط "جس نے میری اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔" سورۃ آل عمران میں سنت رسولؐ کے اتباع کا مقام اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر متعین فرما دیا ہے اور اہل ایمان کے ساتھ اپنی محبت کو نبی اکرم ﷺ کے اسوئہ کامل کے اتباع کے ساتھ مشروط کر دیا ہے: فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم (آیت: ۳۱) "(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطائوں سے درگزر فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے"! یہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے کہ اللہ سے محبت کے دعوے کی اصل کسوٹی نبی اکرم ﷺ کا اتباع'

حضورؐ کی پیروی' آنحضورؐ کی سنتوں کی ادائیگی کا اہتمام ہے اور اس طرزعمل کا مقام یہ ہے کہ اللہ بھی ایسے لوگوں سے محبت کرے گا اور ان سے جو غلطیاں اور کمزوریاں بربنائے بشری سرزد ہوں گی' اللہ ان کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے' رحیم بھی۔

پس معلوم ہوا کہ زندگی کے ہر گوشے اور ہر معاملے میں سنت رسولؐ کی پیروی لازم ہے۔ نکاح بھی حضورؐ کی سنت ہے لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہو گا۔ دعوت و تبلیغ دین بھی حضورؐ کی سنت ہے – لوگوں تک قرآن کا پیغام اور اس کی دعوت پہنچانا بھی حضورؐ کی سنت ہے۔ فرائض پنجگانہ کی وقت پر صحیح آداب و شرائط کے ساتھ ادائیگی بھی سنت ہے۔ مجاہدہ فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ بھی رسول اکرمؐﷺ کی سنت ہے' لوگوں پر دین کی حجت قائم کرنا بھی سنت ہے – دین حق کو عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کرنا اور اس کام میں اپنا جان و مال لگانا' اپنی توانائیاں صرف کرنا بھی سنت رسول اللہ ہے' معصیت کی ہر ترغیب و تحریص سے بچنا اور پوری زندگی میں' چاہے وہ سیاست ہو' تجارت ہو' ملکی انتظام ہو' بین الاقوامی اور بین الانسانی تعلقات و معاملات ہوں' ان سب کو قرآن کی ہدایات اور نبی اکرمؐﷺ کے اسوئہ حسنہ کے مطابق انجام دینا بھی سنت ہے۔ شادی بیاہ کی تقاریب کو صرف مسجد میں نکاح کے انعقاد تک محدود رکھنا ہی سنت نہیں بلکہ اس معاملے میں یہ دیکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں ہم کون کون سی ایسی رسومات کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں – جن کا اللہ کے دین اور نبی اکرمؐ کی سنت سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سراسر غیراسلامی اور خلاف سنت ہے۔

حرف آخر

حضرات! چند سال قبل سے مجھے احباب و رفقاء کے شدید تقاضے پر متعدد احباب کے یہاں شادی کے موقع پر نکاح پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ میرا شروع ہی سے یہ معمول رہا کہ خطبۂ نکاح کی غرض و غایت اور حکمت میں میں تقریر ضرور کیا کرتا تھا' جس میں ان آیات و احادیث کی تشریح بھی ہو تو جو نکاح کے خطبۂ مسنونہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی مروجہ رسومات پر بھی تنقید ہوتی اور اصلاح کے لئے کچھ مشوروں اور نصیحتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ نومبر ۷۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد سلمہ کی شادی کے موقع پر میں نے طے کیا کہ جن اصطلاحات کی طرف میں لوگوں کو متوجہ کراتا ہوں ان پر خود عمل کر کے دکھاؤں ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہئے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ع

یا سراپا نالہ بن جا' نوا پیدا نہ کر

چنانچہ پنجاب میں شاید یہ پہلی شادی تھی جو ٹھیٹھ سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مطابق انجام پائی۔ نکاح مسجد میں منعقد ہوا اور ان تمام رسومات سے اجتناب اختیار کیا گیا جو غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ خالص ہندوانہ ہیں۔

میں نے ۷۳ء کے اواخر ہی میں میثاق میں لکھا تھا کہ کراچی میں بعض تجارت پیشہ برادریوں میں نکاح کی مجالس میں انعقاد کا معمول کافی عرصہ سے جاری ہے – تعجب کی بات ہے کہ کراچی سے جس برائی کا آغاز ہوا اسے لاہور یا پنجاب کے دوردراز گوشوں تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ لیکن ایک بھلا کام جو وہاں عرصے سے ہو رہا ہے' اس کے بارے میں یہاں تاحال سوچا بھی نہیں گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی کا نکاح مسجد میں منعقد کر کے اور تمام غیراسلامی رسوم سے اجتناب کر کے اصلاحی کام کا آغاز کر دیا ہے۔ نیز میں نے اس کے ساتھ ہی "میثاق" میں اپنے ان فیصلوں کا بھی اعلان کر دیا کہ میں آئندہ سے:

ا) کسی بارات میں شرکت نہیں کروں گا چونکہ میرے محدود مطالعہ کی حد تک بارات کا رائج الوقت طریقہ خالص ہندوانہ تصورات پر مبنی ہے۔

ب) میں نکاح کے موقع پر کسی دعوت طعام میں شامل نہیں ہوں گا کیونکہ خیرالقرون سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شادی کے ضمن میں لڑکے والوں کی طرف سے دعوت ولیمہ مسنون ہے – جس کا ثبوت ہی نہیں' بلکہ نبی اکرمؐﷺ کا تاکیدی حکم ملتا ہے۔

ج) کسی ایسی نکاح کی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

الحمد اللہ والمنتہ! میں اپنے ان فیصلوں پر کاربند ہوں۔ میں آپ حضرات کو مخصلانہ مشورہ دوں گا کہ صرف نکاح کے مسجد میں انعقاد پر اکتفا نہ کیجئے' بلکہ معاشرے سے شادی بیاہ کی ان تمام رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جن کا طومار اور بوجھ ہم نے خود اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ شادی بیاہ کی ان تمام رسوم کا' جن کا ہمارے رواج ہے' جب بھی منصفانہ جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ ان کی اصل ہندوانہ رسم و رواج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن حکیم اور اسوئہ رسول کے ذریعے ہمارے کاندھوں پر سے بوجھ اتارے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ویضع عنھم اصرھم والاغلل التی کانت علیھم "اور (ہمارا یہ نبی امیؐ) لوگوں پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے' جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے! پس نبی اکرمؐﷺ کا احسان عظیم یہ ہے کہ آپؐ نے دین کو آسان سے آسان بنایا ہے۔ آپؐ نے ہدایت دی کہ یسروا ولا تعسروا 'آسانیاں پیدا کرو'

مشکلات پیدا نہ کرو" لیکن ہم ہیں کہ مشکل پسند بن گئے ہیں ہم نے شادی بیاہ کی تقریب میں لاتعداد اضافی رسوم کو اختیار کر رکھا ہے' جس سے شادی ایک بے انتہا گراں مسئلہ بن گیا ہے – وجہ اس کی یہ ہے کہ توارث اور برادریوں کے تعامل سے جو ہندوانہ رسوم ہمارے ہاں جاری ہیں ان کو چھوڑنے کے لئے ہم تیار نہیں۔ ہندوستان میں جن برادریوں اور خاندانوں نے اسلام قبول کیا وہ اپنے ساتھ اپنی رسوم بھی لائے اور ان کو چھوڑنے کے بجائے ان کے نام بدل دیئے اور ان کو جاری رکھا اور اب تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سننے میں آیا ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بات میں کہاں تک حقیقت ہے کہ قیام پاکستان سے قبل میو قوم میں میوات کے بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر مولوی صاحب آ کر نکاح بھی پڑھاتے تھے اور پھر پنڈت جی آ کر پھیرے بھی ڈلواتے تھے' تاکہ پکا کام ہو جائے۔ آخر نسلاً بعد نسل جو چیز دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی تو اس وجہ سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ صرف دو بول کہنے سے بندھن بندھ گیا۔ اسی لئے وہ دولہا دلہن کے کپڑوں میں گرہ لگا کر اگنی کے سات پھیرے بھی لگواتے تھے اور اس طرح ان کو اطمینان ہوتا تھا کہ اب معاملہ مضبوط ہو گیا ہے۔ اس بات پر تو آپ لازماً مسکرائیں گے یا اسے بہت ہی بعد از قیاس گمان کریں گے۔

لیکن جائزہ لیجئے کہ بعینہ یہی حال ہمارا ہے۔ نکاح حضورؐ کے طریقے پر ہو لیکن بارات کا طومار ہے' جہیز کا انبار ہے' رسومات ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ جو لوگ صاحب ثروت ہیں' وہ اپنی دولت و ثروت اور امارت کے اظہار کے لئے پرانی رسموں پر ہی اکتفا نہیں کرتے' بلکہ نئی نئی رسوم اور بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا ذہن بڑا زرخیز ثابت ہوتا ہے حالانکہ ان تمام رسومات کی نبی اکرمؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے تعامل میں کوئی بنیاد نہیں۔ کراچی کی بعض برادریوں نے چند اصلاحی اقدامات کئے ہیں۔ مجھے یہ عرض کرنے پر معاف کیا جائے کہ ان اصلاحی اقدامات کئے ہیں۔ مجھے یہ عرض کرنے پر معاف کیا جائے کہ ان اصلاحی اقدامات کا اصل محرک دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کے جذبے

سے زیادہ معاشرتی مجبوریاں تھیں' جن کی بنیاد پر فیصلے کئے گئے کہ نکاح مسجد میں ہو اور بارات کا تصور ختم کر دیا جائے 'لڑکی والے کے ہاں دعوت نہ ہو' وغیرھا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ چور دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ بیٹی والا مہندی کی دعوت اور استقبالیہ وغیرہ کے نام سے اب تک پرانی رسوم کوز ندہ کئے ہوئے ہے۔ رسم پرستی کا جو بُت دل کے سنگھاسن پر براجمان ہے وہ اپنی اطاعت ضرور کرائے گا اور اسی کا کسی طرح ظہور ضرور ہو گا۔ پھر دوسری رسمیں بھی جوں کی توں باقی ہیں' بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دین نے صرف ولیمہ کی دعوت کی تاکید کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ ضرور کیا کرو 'اور جس کو ولیمہ میں بلایا جائے وہ اس میں ضرور جائے۔ اس کی حکمت پر آپ جب غور کریں گے تو خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شادی لڑکے والوں کے لئے ہی اصلاً خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ ایک نئے خاندان کی تاسیس ہو رہی ہوتی ہے۔ لڑکی والوں کے لئے بلاشبہ اس لحاظ سے تو خوشی کا مقام ہے کہ وہ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں' لیکن نگاہِ حقیقت بین سے دیکھئے تو بیٹی والوں کے لئے تو یہ بڑی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ بچی کو پالا پوسا' اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا اور پھر جوان ہونے پر دوسرے خاندان کے حوالے کر دیا۔ ہزار دیکھ بھال لیا ہو' معلومات کر لی ہوں' اطمینان کر لیا ہو' لیکن یہ اندیشے پھر بھی لاحق رہتے ہیں اور یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم آگے کیا ہو گا! مزاج ملیں گے یا نہیں' موافقت ہو گی یا نہیں' پتہ نہیں سسرال والوں کا سلوک کیسا ہو گا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بچی کی الوداعی کے وقت ماں کی ہچکیاں لگی ہوتی ہیں' بہنیں پچھاڑے کھا رہی ہوتی ہیں اور باپ اور بھائیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہوتی ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ بیٹی والوں کا ایثار دیکھو کہ وہ اپنے لخت جگر کو دوسروں کے حوالے کر رہے ہیں 'لیکن پھر بھی بیٹے والوں کا دل نہیں بھرتا اور رسومات کے نام پر اُن کے مطالبات کی فہرست کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ جہیز ویسے ہی ہندوانہ رسم ہے' لیکن پہلے یہ ہمارے ہاں عام گھریلو استعمال کی اشیاء تک محدود رہتا تھا' لیکن اب تو بیٹے والوں کو فریج بھی چاہئے' ٹیلی ویژن بھی اور کار بھی! میں نے سنا ہے کہ مکان اور فلیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ خدارا غور کیجئے کہ جس بچی کے باپ کے پاس یہ سب مطالبات پورے کرنے کے وسائل و ذرائع نہ ہوں اور پھر اس کی ایک نہیں اور بھی بچیاں ہوں تو وہ کیا کرے' کہاں جائے' اپنی سفید پوشی کا بھرم کیسے قائم رکھے اور اپنی جوان بیٹیوں کو کیسے بیاہے!!

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ رسومات کا جو بُت دلوں میں چھپا بیٹھا ہے اس کو پوری طرح مسمار کیا جائے ۔اس لئے میں آپ حضرات سے عرض کروں گا کہ اس بات پر غور کریں کہ ہمارے سامنے شادی بیاہ کے لئے اصل معیار کیا ہے؟ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے اصل معیار صرف یہ ہے کہ کیا چیز نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام 'رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے: **مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ** اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو چیز نبی اکرم ﷺ اور

صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، وہ سر آنکھوں پر اور جو چیز ثابت نہیں اس کو پائوں تلے روندنے کے بجائے اگر ہم نے بسر و چشم قبول کیا تو اچھی طرح جان لیجئے کہ دین کے ساتھ ہمارا تعلق مخلصانہ نہیں، اور ہمیں اس تعلق کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہئے!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ، اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ...... آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!